

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اشارات

پچھلی اشاعت میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نظام زندگی کی تعمیر کا جو کام اب ہمیشہ سے اس کے لیے کن صفات کے حامل افراد درکار ہیں امدان افراد کی اجتماعی تنظیم میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں اب تک جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حیثیت دراصل محض ابتدائی اور بنیادی اوصاف کی ہے۔ جن طرح ایک کاروبار کی ابتدا کرنے کے لیے ایک کم سے کم سرمایہ درکار ہوتا ہے جس کے بغیر اسے شروع ہی نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اس کام کے لیے یہ کم سے کم اخلاقی سرمایہ ہے جو آغاز کار ہی میں موجود ہونا چاہیے، ورنہ اس کا حوصلہ کرنا ہی فضول ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے افراد کے ہاتھوں کسی اسلامی نظام کے قیام کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا جو اسلام کو جانتے ہی نہ ہوں، یا اس کے بارے میں خود اپنے اندر ہی قلبی اطمینان اور ذہنی کیسوٹی نہ رکھتے ہوں، یا اس کو خود اپنے اخلاق و کردار اور اپنی عملی زندگی کا دین بنانے سے قاصر ہوں، یا اس کے قیام کی سعی کو انہوں نے اپنا مقصود ہی نہ ٹھہرایا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر مظلوم اوصاف کے افراد جمع ہو جائیں مگر ان کے دل باہم بڑے ہوئے نہ ہوں، ان میں تعاون اور نظم و ضبط نہ ہو، ان کو مل کر کام کرنے کا ڈھنگ نہ آتا ہو، اور وہ باہمی مشورہ و تنقید کے صحیح طریقوں سے نابلد ہوں، تو محض ان کا جمع ہو جانا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ وہ چار انفرادی اور چار اجتماعی اوصاف جن کا ذکر ہم نے اب تک کیا ہے، درحقیقت اس کام کا سرمایہ آغاز میں اور ان کی جو کچھ بھی اہمیت ہے اسی لحاظ سے ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اس کام کے فروغ اور اس کی کامیابی کے لیے بس یہی اخلاقی و روحانی سرمایہ کافی ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ مزید اوصاف کون سے ہیں جو اصلاح و تعمیر کے مقصد میں کامیاب بننے

کے لیے مزدوری ہیں۔

ان میں سے اولین وصف تعلق باللہ و اخلاص باللہ ہے۔ دنیا کے دوسرے سب کام تو نفس یا خاندان یا قبیلے یا قوم و وطن کی خاطر کیے جاسکتے ہیں، ذاتی اغراض اور مادی مقاصد کی ساری آلائشوں کے ساتھ کیے جاسکتے ہیں، خدا پرستی ہی نہیں انکارِ خدا تک کے ساتھ کیے جاسکتے ہیں، اور ان میں ہر طرح کی ذمیوری کامیابیاں ممکن ہیں لیکن اسلامی نظام زندگی کا براہِ پاکرنا ایک ایسا کام ہے جس میں کوئی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی کا تعلق اللہ کے ساتھ صحیح اور مضبوط اور گہرا نہ ہو، اور اس کی نیت خالصتہ اللہ ہی کے لیے کام کرنے کی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جس چیز کو آدمی قائم کرنا چاہتا ہے وہ اللہ کا دین ہے، اور اسے قائم کرنے کے لیے مزدوری ہوتی ہے کہ آدمی سب کچھ اُس خدا کے لیے کرے جس کا یہ دین ہے۔ اسی کی رضا اس کام میں مطلوب ہوتی ہے۔ اسی کی محبت اس کے لیے واجب ہے۔ اسی کی تائید و نصرت پر کئی اعتماد ہونا چاہیے۔ اسی سے اجرت کی ساری امیدیں وابستہ ہونی چاہئیں۔ اسی کی ہدایات اور اسی کے امر نہی کا اس میں اتباع ہونا چاہیے۔ اور اسی کی پکڑ کا خوف دل پر چھایا رہنا چاہیے۔ اس کے سوا جس خوف اور جس لالچ اور جس محبت اور جس اتباع و طاعت کی آمیزش بھی ہوگی، اور جو دوسری غرض بھی اس کام میں شامل ہو جائے گی وہ راہِ راست سے قدم ہٹا دے گی اور اس کے نتیجے میں اور جو کچھ بھی قائم ہو جائے، بہر حال اللہ کا دین قائم نہ ہو سکے گا۔

اسی سے قریب تر تعلق رکھنے والا دوسرا وصف فکرِ آخرت ہے۔ مومن کے کام کرنے کی جگہ اگرچہ دنیا ہے اور جو کچھ اسے کرنا ہے یہیں کرنا ہے، مگر وہ کام اس دنیا کے لیے نہیں کرتا بلکہ آخرت کے لیے کرتا ہے اور اس کا مسلح نظر ذمیوری نتائج نہیں بلکہ آخری نتائج بہتے ہیں۔ اسے ہر وہ کام کرنا چاہیے جو آخرت میں نافع ہے اور ہر اس مشغلے سے دست کش ہو جانا چاہیے جس کا وہاں کوئی حاصل نہیں ملتا ہے۔ اسے ہر اس فائدے کو ٹھکرا دینا چاہیے جو آخرت میں نقصان کا موجب ہو اور ہر اس نقصان کو انگیز کر لینا چاہیے جو آخرت میں نفع بخش ہو۔ اسے فکر صرف آخرت کے عذاب و ثواب کی ہونی چاہیے، دنیا کے کسی عذاب و ثواب کی کوئی اہمیت اس کی نگاہ میں

ہم ہونی چاہیے۔ اس کی کوششیں اس دنیا میں بار آور ہوں یا نہ ہوں، یہاں بسے کامیابی ہوتی نظر آئے یا ناکامی یہاں اس کی تعریف ہو یا مذمت، یہاں وہ انعام پلے یا آزمائشوں میں ڈالا جائے، ہر حال میں اس کو اس تعین کے ساتھ کام کرنا چاہیے کہ جس خدا کے لیے وہ یہ ساری محنتیں کر رہا ہے اس کی نگاہ سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے، اور اس کے ہاں واپس آخرت کی ابدی جزا سے وہ ہرگز محروم نہ رہے گا، اور ہمیں کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔ اس ذہنیت کے بغیر آدمی کے لیے چند قدم بھی اس راہ میں صحیح رُخ پر چلنا ممکن نہیں ہے۔ دنیا کی مقصودیت کا لگا کسی افنی وجہ میں بھی اس کے ساتھ لگا رہ جائے تو وہ قدم میں لغزش پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ راہ خدا میں ایک چوٹ نہیں تو دو چار چوٹیں آخر کار اس شخص کی ہمتیں توڑ دیتی ہیں جو ذبیحی کامیابیوں کو مقصود بنا کر چلتا ہے۔ اور اس راہ کی کوئی کامیابی کسی نہ کسی مرحلے پر اس آدمی کے رویے میں بگاڑ پیدا کر دیتی ہے جس کے دل کو ذبیحی مقاصد کی کوئی چاٹ لگی ہوئی ہو۔

ان دو اوصاف کی تاثیر کو جو چیز عملاً ایک زبردست قوتِ تسخیر میں تبدیل کر دیتی ہے وہ حسن سیرت ہے۔ خدا کی راہ میں کام کرنے والے لوگوں کو عالی ظرف اور فرائض حوصلہ ہونا چاہیے، ہمدرد و خلاق اور خیر خواہ انسانیت ہونا چاہیے، کریم النفس اور شریف الطبع ہونا چاہیے، خود دار اور خود گرد قناعت ہونا چاہیے، متواضع اور مشکلم المزاج ہونا چاہیے، شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے۔ وہ ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن سے کسی کو شرکاء اور شیشہ نہ ہو اور ہر ایک ان سے خیر ہی کا متوقع ہو۔ جو اپنے حق سے کم پر راضی ہوں اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے پر تیار رہیں۔ جو برائی کا جواب بھلائی سے دیں، یا کم از کم برائی سے نہ دیں۔ جو اپنے عیوب کے معترف اور دوسروں کی بھلائیوں کے تدارک ہوں۔ جو انا بڑا دل رکھتے ہوں کہ لوگوں کی کمزوریوں سے چشم پوشی کر سکیں۔ قصوں کو معاف کر سکیں، زیادتیوں سے مدد نہ کر سکیں، اور اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیں۔ جو خدمت کے نہیں خدمت کر کے خوش ہوتے ہوں، اپنی غرض کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کی بھلائی کے لیے کام کریں، ہر تعریف سے بے نیاز اور ہر مذمت سے بے پروا ہو کر اپنا فرض انجام دیں اور خدا کے سوا کسی کے اجر نہ بگاڑ نہ رکھیں جو طاقت سے و بانے نہ جا سکیں، دولت سے خریدے نہ جا سکیں، مگر حق اور راستی کے آگے مثال

سر جھکا دیں۔ جن کے دشمن بھی ان پر یہ بھروسہ رکھتے ہوں کہ کسی حال میں ان سے شرافت و دیانت اور انصاف کے خلاف کوئی حرکت سر نہ نہیں ہو سکتی۔ یہ دلوں کو مومہ لینے والے اخلاق ہیں۔ ان کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے بڑھ کر اور ان کا سرمایہ سیم و زر کی دولت سے گراں تر ہے۔ کسی فرد کو یہ اخلاق میسر ہوں تو وہ اپنے گرد و پیش کی آبادی کو مستحضر کر لیتا ہے، لیکن اگر کوئی جماعت کی جماعت ان اوصاف سے متصف ہو اور پھر وہ کسی مقصدِ عظیم کے لیے منظم سی بھی کر رہی ہو تو ملک کے ملک اس کے آگے مستحضر ہوتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اس کے ساتھ ایک اور صفت بھی ہے جسے کامیابی کی کلید کہنا چاہیے، اور وہ ہے صبر۔ یہ ایک وسیع مفہوم ہے جس کے بہت سے مفہومات ہیں اور راہِ خدا میں کام کرنے والوں کو ان میں سے ہر مفہوم کے لحاظ سے صابر ہونا چاہیے۔ صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آدمی جلد باز نہ ہو۔ اپنی خوشیوں کے نتائج فوراً اور جلدی دیکھ لینے کے لیے بیتاب نہ ہو اور دیر گتے دیکھ کر سمبت نہ جا جائے۔ صابر آدمی کی خوبی یہ ہے کہ وہ تمام عمر ایک مقصد کی پیروی میں مسلسل محنت کیے چلا جاتا ہے، اور پیچھے ناکامیوں کے باوجود اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ اصل طرح خلق اور تعمیر حیات کا کام ایسا صبر آزمایہ ہے کہ اس صفت کے بغیر کوئی شخص اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ یہ بہر حال بہت سی پر مسر سوں جاتا نہیں ہے۔

صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی تلون اور ضعف رائے اور قلتِ عزم کی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ اس میں یہ صفت موجود ہو کہ جس راہ کو اس نے سمجھ کر اختیار کر لیا ہے اس پر ثابت قدم رہے، اور دل کے پودے عزم اور ارادے کی پوری قوت کے ساتھ اس پر بڑھتا چلا جائے۔

صبر سی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آدمی مشکلات اور مصائب کا مردانہ فار مقابلہ کرے اور اپنے مقصد کی راہ میں جو تکلیف بھی پیش آجائے اسے ٹھنڈے دل کے ساتھ برداشت کر لے۔ صابر آدمی کسی طوفان اور کسی سیلاب کے تھپڑوں سے شکست خوردہ ہو کر منہ نہیں مٹھتا۔

صبر کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی نروسٹک اور مشتعل مزاج نہ ہو بلکہ متحمل اور بردبار ہو۔

جس شخص کو اصلاح و تعمیر کا کام کرنا ہو اور جسے تعمیر کے لیے کچھ نہ کچھ ناگزیر تخریب بھی کرنی پڑے، خصوصیت کے ساتھ جبکہ یہ خدمت اسے مدتوں کی بگڑی ہوئی سوسائٹی میں انجام دینی ہو، اسے لامحالہ بڑی گندی اور گھناؤنی اور کمینہ قسم کی مخالفتوں سے سابقہ پیش آکر رہتا ہے۔ اگر وہ اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ گالیاں کھا کر ہنس دے، طعنے سن کر ٹال دے، الزام اور بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے کو کیسر نظر انداز کر کے پورے سکون و جمعیت خاطر کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے، تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس راہ میں قدم ہی نہ رکھے۔ اس لیے کہ یہ کانٹوں بھری راہ ہے۔ اس کا ہر کانٹا یہ غزم کیے بیٹھا ہے کہ آدمی اور جس طرف بھی جائے چلا جائے مگر اس سمت میں اسے ایک اونچ بھی نہ ٹوٹنے دیا جائے گا۔ اس حالت میں جو شخص ہر کانٹے سے الجھنے لگے وہ کیا پیش قدمی کرے گا۔ یہاں تو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے دامن سے اگر کوئی کانٹا الجھ جائے تو وہ دامن کا وہ حصہ بھاڑ کر اس کے حوالے کر دیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی ماہ کھوٹی نہ کریں۔ یہ صبر عرف مخالفوں ہی کے مقابلے میں درکا نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات اس راہ کے راہ رو کو خود اپنے ساتھیوں سے بھی تلخ و ناگوار باتوں سے سابقہ پیش آجاتا ہے اور ان کے معاملہ میں اگر وہ حلم و تحمل سے کام نہ لے تو پورے قافلے کی راہ مار سکتا ہے۔

صبر اس چیز کا نام بھی ہے کہ آدمی ہر خوف اور ہر لالچ کے مقابلے میں راہ راست پر جوار ہے شیطان کی ساری ترغیبات اور نفس کی تمام خواہشات کے علی الرغم اپنا فرض بجالائے، حرام سے پرہیز کرے اور حدود اللہ پر قائم رہے۔ گناہ کی ساری لذتوں اور منفعتوں کو ٹھکرا دے اور نیکی و راستی کے ہر نقصان اور اس کی بدولت حاصل ہونے والی ہر محرومی کو انگیز کر جائے۔ اپنی آنکھوں سے دنیا پرستوں کی رونق حیات دیکھے اور اس پر رنجنا تو دور کنار دل میں ادنیٰ سی حسرت تک کہ راہ نہ دے۔ اپنے سامنے دنیا طلبی کی راہیں کشادہ اور کامزنیوں کے مواقع موجود پائے اور دل کی پوری طمانیت کے ساتھ اس متابع حیات پر راضی رہے جو اپنے مقصد کی خدمت کرتے ہوئے وہ اپنے رب کے فضل سے حاصل کر رہا ہو۔

صبر ان تمام معنوں میں کلید کامیابی ہے جس پہلو سے بھی ہمارے کام میں بے صبری کا دخل ہو گا، اس کا برا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

ان سب اوصاف کے ساتھ ایک نہایت اہم وصف حکمت ہے جس پر بہت بڑی حد تک کامیابی کا انحصار ہے۔ دنیا میں جو نظام زندگی بھی قائم ہے ان کو اعلیٰ درجے کے ذہین اور ہوشیار لوگ چلا رہے ہیں اور ان کی نشپت پر مادی وسائل کے ساتھ عقلی و فکری طاقتیں اور علمی و فنی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرے نظام کو قائم کر دینا اور کامیابی کے ساتھ چلا لینا کونئی نچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بسم اللہ کے گنبد میں رہنے والوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ سادہ لوح لوگ خواہ کتنے ہی نیک اور نیک نیت ہوں، اس سے عہدہ برائے ہو سکتے۔ اس کے لیے گہری بصیرت اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے دانشمندی اور معاملہ فہمی رکنا ہے۔ اس کام کو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو موقع شناس اور باتدبیر ہوں، اور زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ حکمت ان سب اوصاف کے لیے ایک جامع لفظ ہے اور اس کا اطلاق دانائی و زیرکی کے متعدد مظاہر پر ہوتا ہے۔

یہ حکمت ہے کہ آدمی انسانی نفسیات کی سمجھ رکھتا ہو اور انسانوں سے معاملہ کرنا جانتا ہو۔ لوگوں کے اذہان کو اپنی دعوت سے متاثر کرنے اور ان کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کے طریقوں سے واقف ہو۔ ہر شخص کو ایک ہی لگی بندھی دوڑنا دیتا چلا جائے بلکہ ہر ایک کے مزاج اور مرض کی صحیح تشخیص کر کے علاج کرے۔ غلبہ کو ایک لکڑی نہ ہانکے بلکہ جن جن اشخاص اور طبقوں اور گروہوں سے اس کو سابقہ پیش آئے ان کے خصوصیات حالات کو سمجھ کر ان کے ساتھ معاملہ کرے۔

یہ بھی حکمت ہے کہ آدمی اپنے کام کو اور اس کے کرنے کے طریقوں کو جانتا ہو اور اس کے راستے میں پیش آنے والی دشواریوں، مخالفتوں اور مزاحمتوں سے متنبا بھی اس کو آتا ہو۔ اسے ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا چاہیے کہ جس مقصد کے لیے وہ سعی کرنے اٹھا ہے اس کے لیے اسے کیا کچھ کرنا ہے، کس کس طرح کرنا ہے، اور کس کس قسم کی رکاوٹوں کو کس طرح دفع کرنا ہے۔

یہ بھی حکمت ہی ہے کہ آدمی وقت کے حالات پر نظر رکھتا ہو، مواقع کو سمجھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس موقع پر کیا تدبیر کی جانی چاہیے۔ حالات کو سمجھے بغیر اندھا دھند قدم اٹھا دینا، بے موقع کام کرنا اور موقع پر چوک جانا، معطل لوگوں کا کام ہے اور ایسے لوگ خواہ کتنے ہی پائیزہ مقصد کے لیے کتنی ہی نیکی و نیک نیتی کے ساتھ

کام کر رہے ہوں، کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اور ان صوبہ حکومتوں سے بڑھ کر اس الحکمت یہ ہے کہ آدمی دین میں تعلق اور معاملات بنیادیں بھرت رکھتا ہو محض احکام اور مسائل شریعت سے واقف ہونا اور انہیں پیش آمدہ حوادث پر چسپاں کر دینا منصب افتاد کے لیے تو کافی ہو سکتا ہے، مگر جبکہ ہونے معاشرے کو درست کرنے، اور نظام زندگی کو جاہلیت کی بنیاد سے لکھاڑ کر دین کی بنیادوں پر از مبر تو قائم کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ اس مقصد کے لیے تو ضروری ہے کہ آدمی جزئیات احکام کے ساتھ کلیات احکام، بلکہ پورے نظام دین پر نظر رکھتا ہو، پھر احکام کے ساتھ ان کی حکمت کا بھی اسے علم ہو، اور وقت کے ان حالات و مسائل کو بھی وہ سمجھتا ہو جن میں ان احکام کو راجع کرنا مطلوب ہو۔

مطلوبہ اوصاف کے اس موقع کو دیکھ کر بادی النظر میں ایک آدمی ہول کھا جاتا ہے اور یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ یہ کام تو پھر کاملین کے کرنے کا ہے، عام انسان کہاں سے اتنے وصف لے کر آسکتے ہیں اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر صفت کا ہر شخص میں بد بوجہ کمال پایا جانا لازم نہیں ہے، اور نہ ہی لازم ہے کہ کسی میں وہ پہلے ہی قدم پر اپنی پوری تربیت یافتہ شکل میں موجود ہو۔ ہمارا مقصود ان باتوں کو بیان کرنے کے لیے صرف یہ بات ذہن نشین کرنا ہے کہ جو لوگ اس کام کو کرنے کے لیے اٹھیں وہ محض خدمت قوم کا ایک کام سمجھ کر یونہی کھڑے نہ ہو جائیں، بلکہ اپنے نفس کا جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اس کام کے لیے جو اوصاف مطلوب ہیں ان کا مادہ ان کے اندر موجود ہے یا نہیں۔ پس مادہ اگر موجود ہے تو آغاز کار کے لیے کافی ہے اس کو پرورش کرنا اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک ترقی دینا بعد کے مراحل سے تعلق رکھتا ہے جس طرح ایک ذرا سایج زمین میں بڑھ پکڑنے کے بعد آہستہ آہستہ غذا پا کر تناور درخت بن جاتا ہے لیکن بیج ہی موجود نہ ہو تو کچھ بھی نہیں بن سکتا، اسی طرح صفات مطلوبہ کا مادہ آدمی میں موجود ہو تو مناسب سہمی و کوشش سے وہ تدریج کمال تک پہنچ سکتا ہے مگر سر سے مادہ ہی موجود نہ ہو تو کسی سہمی اور تربیت اس کا پیدا ہو جانا ممکن نہیں ہے۔